سوانح عمری

پادری گولک ناتھ صاحب مرحوم

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان ولیکن پھر بھی کم نکلے

احباب کی پر زور فرمائشوں کے ساتھ میرے خیال میں بھی ضروری معلوم ہوا کہ پادری گولک ناتھ صاحب مرحوم کی سوانح عمری قلمبند کی جاوے کیونکہ پادری صاحب اُن بے نظیر خوبیوں اور فضایل سے (جو ایک سچے مسیحی کے لئے ضروری سمجھی گئی ہیں) موصوف ہونے کے علاوہ وہ پہلے ہندوستانی مسیحی تھے جو مسیحی مذہب کی اشاعت میں پوری سرگرمی اور دلی گرمجوشی سے کام کرنے میں آجتک ضرب المثل ہیں۔ اس سے پہلے صاحب موصوف کی دو سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک تو اردو میں جناب پادری رجب علی صاحب کی تصنیف کی ہوئی ہے اور جو غالباً ابتک شایع نہیں ہوئی۔ اس سوانح عمری میں سے جو حالات مجھکو چند دوستوں کی وساطت سے معلوم ہوئے ہیں اُن کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ عموماً مرحوم کی شان میں مبالغہ آمیز اور آنجناب

کے حسن اخلاق پر مبنی ہیں - دوسری سوانح عمری بنگالی زبان میں ہے جو "حسن حسین اخبار" کے ذریعے شایع ہوئی ہے - اس میں بھی تو بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حق پر مبنی نہیں - نہ فقط مبالغہ آمیز ہیں بلکہ من گھڑت بھی معلوم ہوتی ہیں - اس سوانح عمری کی طرز تحریر بالکل ایک ناول کی سی ہے جس میں مؤلف نے گولک ناتھ کو اس ناول کا ہیرو قرار دیکر ناول نویسی کا خاصہ حق ادا کر دیا ہے - مذکورہ بالا کتابوں کے لکھنے اور شایع ہونے سے کم از کم اتنا تو صاف ثابت ہے کہ پادری صاحب مرحوم کے اصل حالات زندگی کے معلوم ہونے اور اُن کی ایک ایسی سوانح عمری کے لکھے جانیکی جس کے واقعات حق پر مبنی ہوں پبلک میں کیسی عام دلچسپی اور شوق پایا جاتا ہے - علاوہ بریں ۱۸۹۲ء کے جلسہ سنٹ کے انعقاد کے موقع پر تحریک ہوکر قرار پاچکا تھا کہ بزرگ پادری صاحبان - نیوٹن و گولک ناتھ کی سوانح عمریاں لکھی جاویں لیکن تاحال اس پر عملدرآمد نہیں ہوا - لہذا ان وجوہات پر بھی مجھے اور ضروری معلوم ہوا کہ پادری صاحب کی پاک زندگی کے صحیح صحیح حالات پوری تحقیق اور تنقیح سے اُن کی اصلی صورت میں لکھکر پبلک کے پیش کروں - لیکن یاد رہے کہ میری معلومات کا ماخذ یا تو مرحوم کی خاص اپنی زبان سے فرمائی ہوئی باتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً مرحوم نے خاکسار کو بتلائیں - یا اُن معتبر دوستوں اور بزرگوں کے مستند بیانات ہیں جو عموماً مرحوم کے ہر حال میں شریک اور دمساز رہے ہیں - اس لئے قوی اُمید ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا جاوے گا - وہ یقینی اور واقعی ہوگا نہ ظنی اور بناوٹی وباالله التوفیق +

پادری صاحب نے اپنے ذاتی مصائب اور تکالیف کے بارے میں اول تو کچھ بتلانا ہی مناسب نہیں سمجھا اور اصرار بلیغ کے ساتھ اگر کچھ بتلایا بھی ہے تو وہ اتنا کم ہے جیسے دریا میں سے قطرہ - کیونکہ مرحوم زندگی بھر راضی برضا کے مسلک پر چلتے اور ہمیشہ دنیاوی

رنج و راحت کو ہیچ اور بے وقعت محض سمجھتے رہے۔ وہ دکھ سکھ میں۔ خدا کے شکر گذار رہے اور پورے صبر و استقلال سے ہر ایک دنیاوی تکلیف کے لئے سینہ سپر ہی رہے ہر وقت ہشاش بشاش نہ شکوہ نہ شکایت۔ خدا کی رضا جوئی میں کسی سخت سے سخت تکلیف اور انسانی حوصلے کے پست کر دینے والی مصیبت کو سرے سے اُنہوں نے محسوس ہی نہیں کیا گلہ اور شکایت تو رہا ایک طرف بس ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ بھلا ایسے صابر شاکر خدا کی مرضی میں محو ہو جانے والے آدمی سے اُس کی تکالیف کا پتہ ملنے کی کیا خاک اُمید ہو سکتی ہے بہر حال ان کی تکالیف کا ریکارڈ جو کچھ معلوم ہو سکیں مفصل ذکر اپنے سلسلے میں آیندہ آئیگا +

اُن کی زندگی کے حالات پر جس قدر غور و تعمق سے کام لیا جاتا ہے اُسی قدر حیرت بڑھتی ہے اور آخر کار سوچنے سے ایک ایسی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ انسانی عقل کچھ کام نہیں کر سکتی۔ اُن کا اپنے عزیز و اقارب اپنے وطن اور اہل وطن کو چھوڑ چھاڑ پنجاب میں تشریف لانا اور پھر ایسے وقت میں جبکہ پنجاب کی دینی اور اندرونی حالت سخت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ جبکہ ہر ایک قسم کے فواحش اور برائیوں کو سرے سے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا خواہ مخواہ سوچنے والے کو اس سوال پر مجبور کریگا کہ یہہ سب کیوں اختیار کیا گیا۔ وہ کونسی ایسی ضرورت اور کشش تھی جو مذکورہ بالا تعلقات کو قطع کر کے اُن کو پنجاب میں کھینچ لائی کیا کوئی جاہ طلبی یا عیش و آرام کا خیال اُن کو پنجاب میں لایا؟ جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا صاحب موصوف کا وہ زمانہ دنیاوی جھنجٹوں میں پھنسنے کا زمانہ نہیں تھا خصوصاً جب کہ اُنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑا اُس وقت آپکی عمر سترہ ۱۷ ہی برس کی تھی گویا کہ قریباً نابالغ سمجھئے۔ اور اس لئے اظہر من الشمس ہے کہ والدین کے ہوتے سہاتے

دنیاوی عیش و عشرت کے متعلق وہ کونسی ضرورت باقی رہ سکتی تھی جس کو وہ دہلی پر پوری طرح حاصل نہ کر سکتے تھے اور پھر جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ آپکے والد ماجد ماشاءاللہ بنگال کے متمول رئیس اور ایک چاء کے باغ کے مالک تھے تو اس خیال کی اور بھی وقعت گھٹ جاتی ہے کہ انہوں نے سفر کی تکلیفیں محض تن آسانی یا دنیاوی جاہ طلبی کی خاطر جھیلیں اور برداشت کیں غرض یہہ تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی دنیاوی لالچ سے سفر کو حضر پر اختیار کیا ہو۔ ہاں اس سوال کا اگر کوئی شافی اور صحیح جواب ہو سکتا ہے تو وہ یہہ ہے کہ وہ مامور من جانب اللہ ہو کر ایک خاص خدمت کی بجا آوری کے لئے جس کی اُن دنوں پنجاب جیسے ملک کے لئے خصوصًا سخت ضرورت تھی تشریف لائے۔ اور خدا نے بھی جیسا آئندہ ظاہر ہوگا اُن کو اس کام میں خاطر خواہ کامیابی اور برکت بخشی اور ہر ایک حالت میں اُنکی ہدایت اور راہنمائی کی ؂

صاحب موصوف کے اعلیٰ کارناموں کے بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور اُس میں مسیحی مذہب کے آغاز کی تاریخ کا کچھ مختصر سا تذکرہ کیا جاوے۔ واضح ہو کہ پنجاب میں مسیحی مذہب کا آغاز ۱۸۳۵ء میں ہوا شمالی ہندوستان کی پہلی پریسبٹیری تین ممبروں کی شمولیت سے ۱۸۳۶ء میں قایم ہوگئی۔ ہمارے ہردلعزیز اور بزرگ پادری نیوٹن صاحب بھی اس میں شامل تھے لیکن یہہ پریسبٹیری جو سہارنپور پریسبٹیری کے نام سے موسوم ہوئی ہے خلاف ضابطہ قایم ہوئی تھی۔ کیونکہ بموجب قواعد جو اُس وقت رایج تھے پریسبٹیری کے ہر ایک جلسہ میں کم از کم تین ممبروں کا اجلاس ضروری تھا۔ اُن مشنریوں میں سے جو ۱۸۳۶ء میں ہندوستان میں تشریف لائے۔ اُن میں سے تین تو مقرر کردہ قسیس ہی نہ تھے۔ بلکہ وہ

بحیثیت معلم وارد ہوئے تھے اور اُن کا منشا تھا کہ پرسبٹیری کی نگرانی میں علم آلہی کا مطالعہ کریں مگر پرسبٹیری کی عدم موجودگی سے پادری صاحبان مسٹر ولسن و نیوٹن مرحوم نے مسٹر کیمپبل کو جو رفارمڈ پرسبٹیرین کلیسیا کا خادم الدین تھا اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ ایک پرسبٹیری قایم کریں۔ غرضکہ پرسبٹیری قایم ہوگئی اور تینوں متذکرہ بالا صاحبان پرسبٹیری کی نگرانی میں اگر خادم الدینی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ پھر وہی پرسبٹیری سنہ ۱۸۴۰ء میں لودیانہ کی پرسبٹیری کے نام سے قایم ہوئی سنہ ۱۸۳۵ء میں پادری جوزف کولول صاحب جو رفارم پرسبٹیری کی طرف سے سہارنپور میں وارد ہوئے۔ اور مسٹر کیمپبل اور کولول صاحبان نے ملکر سنہ ۱۸۳۸ء میں سہارنپور کی ایک پرسبٹیری قایم کی +

صاحبان موصوف پنجاب کی نسبت یوں لکھتے ہیں کہ اس ملک پر جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور واقعی یہی حال تھا کیونکہ دیگر تواریخوں سے بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ سرکار انگلشیہ کے عہدنامے کے بموجب مہاراجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج سے لیکر تمام شمالی ہندوستان کا مالکِ واحد متصور ہوتا تھا۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جو مہاراجہ کے سلطنت کا آخری سال تھا اُس کی جاہ و حشمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا کیونکہ خالصہ جی کی وہ ملکی زبردست طاقت جو سنہ ۱۷۰۶ء میں گرو گوبند سنگھ کے وقت شروع ہوئی تھی۔ وہ مہاراجہ کے وقت میں مکمل ہوگئی اندنوں پنجاب کی دینی اور اخلاقی حالت نہایت تنزل ہو رہی تھی۔ پنجاب کا ملک ہندوستان کا پھاٹک مشہور ہے اور اس لئے یونانیوں گریوں اور تاتاری مغلوں کا ہمیشہ سے تختہ مشق بنا رہا ہے۔ رشیوں نے بھی غالباً اسی ملک میں اشلوک و بھجن وغیرہ بنائے۔ پھر محمدی حملہ آوروں نے ہندوؤں کے مندروں کو ایسا مسمار کیا کہ اس قسم کی عمارت کا نام و نشان تک مٹا ڈالا اور

بزور شمشیر دین اسلام کو پھیلایا پھر اسی ملک میں بابا نانک نے دینی اور سوشیل نفاق کو جو ہندوں اور مسلمانوں میں دن بدن بڑھتا جاتا تھا دور کرنے کی کوشش کی لیکن گوبند سنگھ کے عہد میں اس کے خلاف ظہور میں آیا کیونکہ اُس نے اپنی تعلیم کو زمانہ کی ہوا کے موافق بدل ڈالا تھا۔ اور امن وصلح کے بجائے اپنے معتقد سکھوں کے دلوں میں جنگی ولولوں کی آگ لگا دی اور اپنے نام کا یہہ سکہ چلایا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یافت از نانک گورو گوبند سنگ

۵

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہندوں کی مذہبی حالت سخت ابتر ہو رہی تھی۔ چنانچہ خان بہادر سید محمد لطیف صاحب نے بھی اپنی دلچسپ تواریخ پنجاب میں اس زمانہ کی حالت کا مفصلہ ذیل الفاظ میں یوں خاکہ کھینچا ہے کہ

"اس زمانہ کا مذہب سوسایٹی کی اخلاق کا مانع نہ تھا"

آگے چلکر مولف موصوف ملک کی اُس حالت کا جس کو نصف صدی گذر چکی ہے اُس کی موجودہ حالت سے مقابلہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"دیکھیا بادشاہ کے کان میں اس بیچاری ضعیفہ بڑھیا کا دردآمیز واویلا جس کی
"رات دوزخ میں کٹی اور جو شاہی محل سے آدھ میل کے فاصلہ پر رہتی تھی پہنچا؟
"اور کیا کسی نے یہہ بھی دریافت کیا کہ بادشاہی نوکروں یا کسی امیر یا افسر یا خفیہ
"نے اُس کو ستایا؟ اور کیا کبھی کسی نے اُس بات کی بھی پرواہ کی کہ اس"

"وہ دکھیا نے اپنی رات گریہ وزاری اور بھوک پیاس اور ننگہ ستی میں کاٹی"

"اور کیا اُس کی اندھیاری کوٹھری میں کوئی چراغ جلایا گیا تاکہ اُس کے"

"درد و دُکھ کے گھنٹے آرام سے بسر ہوتے" +

غرض کہ وہ زمانہ زمانہ خود غرضی تھا بیماری کے وقت فقیروں اور درویشوں سے مشورے ہوتے تھے۔ عمل جادوگری کا سکہ جاری تھا پاپ مکتی کے لئے بادشاہ سے لے کر فقیر تک گنگا اور جوالہ مکھی کی جاترا کرتے تھے ستی ہونے کا جگر خراش دستور ۱۸۲۹ء تک برابر جاری تھا ۱۸۳۹ء میں راجہ دھیان سنگھ کی بیوہ کا اپنے خاوند کے جنازے پر جان نثاری کرنا ماہران تاریخ پر پوشیدہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کی لاش کے ساتھ مذہبی طور پر چار رانیوں اور سات لونڈیوں نے سورگ کی اُمید پر اپنے آپ کو ستی کیا۔ اس دردناک نظارے کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مفصل حال یہ ہے کہ جس وقت لاش مرگھٹ کی طرف لیجا رہے تھے اور راستے میں ہزار ہا محتاجوں اور مسکینوں کے لوٹنے کے واسطے روپے پھینکے جاتے تھے چاروں رانیاں کہ جنہوں نے عمر بھر محل سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا تھا باہر نکل آئیں معمولی حالت میں جنازے کے پیچھے پیچھے چلی جاتی تھیں۔ اس وقت اُن کی پوشاک سفید ریشم کی تھی اور زیور وغیرہ کا نام تک نہ تھا کیونکہ باہر نکلنے سے پہلے جہاں تک ہو سکا زیورات اور نقد و جنس اور پارچات وغیرہ تمام محتاجوں اور غریبوں کو بانٹ دیئے تھے۔ مگر ان میں سے ایک رانی جو اپنا سارا نقد و جنس بانٹ نہ سکی تھی لاش کے پیچھے پیچھے اُس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرتی چلی آتی تھی۔ یہ نقد و جنس ایک نوکر کے ہاتھ ایک تھالی میں رکھا ہوا تھا جو رانی کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ ہر ایک

رانی کے ساتھ دو دو تین تین قدم کے فاصلے پر ایک آدمی آئینہ سامنے کئے اُلٹے پاؤں چلا جاتا تھا تاکہ رانیاں اپنے چہروں کو اُس میں دیکھ کر معلوم کر سکیں کہ چہرے پر کوئی غیر معمولی تغیر تو نہیں ہوا۔ آگے آگے ماتمی نقارہ بجتا جاتا تھا اور راگی دُنیا کی بے ثباتی کے راگ گاتے چلے جاتے تھے۔ اُن کے راگوں اور سازوں کی ماتم آمیز آوازوں سے تمام انبوہ پر ایک سناٹے کا عالم چھایا ہوا تھا۔ الغرض جب مرگھٹ میں پہنچے تو چتا پہلے ہی تیار تھی چتا پر چڑھنے کے لئے ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی جس پر سب سے پہلے سردار اور صاحب چڑھے اور اُنہوں نے مہاراجہ کی لاش کو تختہ سے اُتار کر کمال عزت و تعظیم سے چتا پر رکھا۔ اس اثنا میں چاروں رانیاں بڑی جرات اور حوصلے سے آگے بڑھیں اور درجہ کے مطابق سیڑھی پر چڑھتی گئیں اور اپنے شوہر کے سرہانے بیٹھکر اپنے ہاتھوں سے مہاراجہ کے سر کو تھامے رکھا پھر وہ ساتوں لونڈیاں یکے بعد دیگرے چتا پر چڑھکر مہاراجہ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئیں اور اُنہوں نے مہاراجہ کے پاؤں کو اُٹھائے رکھا۔ اس کے بعد اُن سب کو سرکیوں سے ڈھانپ لیا گیا۔ اور اوپر گھی تیل تمو۔ کے کنستر ڈالے گئے۔ تب شاہزادہ کھڑک سنگھ نے چتا کے چاروں کونوں میں آگ دیدی۔ چشم زدن میں آگ بھڑک اُٹھی اور اُس کے مہیب شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اُن کی آن میں وہ بیچاریاں مہاراجہ کی لاش کے ساتھ جلکر راکھ کا ڈھیر ہو گئیں +

مذکورہ بالا بیان سے صاف ثابت ہے کہ اُس وقت کی اخلاقی حالت کیسی ابتر تھی۔ شراب نوشی۔ عیاشی۔ اوباشی اور دیگر بداعمالیوں سے حضوری باغ کا محل اور شالامار باغ کی سنگ مرمری بارہ دری اور نفیس حوض اور سمن برج کا شیش محل ناپاک ہو رہے تھے۔ ہر ایک سکھ

سپاہی کی زبان پر یہہ پنجابی جملہ چڑہا ہوا تھا کہ۔ "آئے نی نہنگ بوہا کھولدے لنگ" یعنے سکھ آگئے ہیں بے تامل دروازہ کھول) یہہ کہتے تھے اور بے دھڑک گھروں میں گھس جاتے تھے۔ ہر ایک شریف کو اپنی عزت اور ناموس کی نسبت جان کے لالے پڑ رہے تھے۔ طوایف الملوکی اور ابتری چھا گئی تھی سے رعایا کا ناک میں دم تھا۔ غرض کہ اندنوں شریف سے لے کر رذیل تک کو ہر وقت اپنی عزت و آبرو کا کھٹکا لگا رہتا تھا خوں ریزی۔ باہمی عناد۔ بیرحمیوں بدنظمیوں۔ فتنہ پردازیوں کا یہہ عالم تھا کہ سلطنت روما کے نیرو اور ہیلیوگیبولس کا زمانہ آنکھوں میں پھر جاتا تھا ✦

جبکہ پنجاب کی یہہ حالت تھی۔ اس وقت چند پادری صاحبان برٹش گورنمنٹ کے سایہ حفاظت میں آکر شہر لودیانہ میں مقیم ہوئے۔ ان پادری صاحبان سے پہلے کوئی ہندوستانی پادری پنجاب میں مقیم نہیں ہوا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پنجاب میں مسیحی مذہب کا کوئی نام تک نہیں جانتا تھا اس وقت ملکی حالت کی یہہ کیفیت تھی کہ مغلیہ خاندان کا ٹمٹماتا چراغ اگرچہ دہلی کا برائے نام بادشاہ تھا مگر تو بھی اس کی شاہانہ توقیر بدستور قایم تھی۔ کل پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضے میں تھا اور سندہ محمدی امیروں کے زیر حکومت تھا۔ لودیانہ حال ہی میں کمپنی کے قبضہ میں آیا تھا اور چاروں طرف سے ہندوستانی ریاستوں سے محیط تھا۔ ایسی حالت میں ان پادری صاحبان کو تو گویا مسیحوں کی دیواروں کے محافظ سمجھئے۔ ان کی آنکھیں دعا اور امید کے ساتھ اس آفتاب صداقت کے طلوع اور اس کی ابتدائی کرنوں پر لگی ہوئی تھیں ایسی حالت میں جبکہ گمراہی۔ بت پرستی۔ جہالت۔ دروغگوئی اور گناہوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا اور ابھی تک مسیحی مذہب

کی روشنی افق سے نمودار نہیں ہوئی تھی۔ کہ ایک نوجوان بنگالی اپنے وطن عزیز کو الوداع کہکر دنیا میں وارد ہوا۔ اور ۱۸۳۶ء میں پادری جان نیوٹن کے ہاتھ سے اصطباغ پایا اس نوجوان کا نام نامی گولک ناتھ چیٹرجی تھا اور یہی وہ الوالعزم مسیحی ہے جس کی سوانح عمری ہم لکھتے ہیں۔ صاحب موصوف کے والد ذات کے کلین٭ برہمن اور ایک چاء کے باغ کے مالدار مالک مقیم کلکتہ تھے +

اندنوں گورنمنٹ کو تعلیم کا مطلق خیال ہی نہ تھا اور انگریزی تعلیم کا جو کہیں کہیں کچھ تھوڑا بہت چرچا تھا وہ پادری صاحبان کی حسن سعی کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے انسانی ہمدردی کے خیال سے فائدہ عام کی خاطر جابجا سکول کھولکر صلائے عام دے رکھا تھا کہ جو چاہے علم کی دولتِ عظمیٰ سے مستفید ہو۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک مدرسہ پادری ڈاکٹر ڈف صاحب نے بھی کلکتہ میں کھولا ہوا تھا۔ اسی مدرسہ میں پادری گولک ناتھ صاحب بغرض حصول تعلیم داخل ہوئے۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ مسیحی مذہب کی تعلیم نے بھی ان کے دل میں گدگدی سی پیدا کر دی یہانتک کہ انہوں نے گھر میں انجیل مقدس کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ مسیحی مذہب کی صداقت ان کے دل میں جڑ پکڑتی گئی۔ آخرکار لوگوں میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور ان کے والد صاحب کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی۔ والد نے ان کو اس خیال کے ترک کرنے پر بہت کچھ کہا سنا۔ یہانتک کہ ترغیب اور تہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بارہا ان کو کوٹھری میں بند کر دیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیں لیکن جب یہ سب منصوبے بیکار ثابت ہوئے اور جبر و تعدی کی نت

نوٹ٭ کلین وہ براہمن ہیں جن کو مہاراجہ ادوے سور نے قنوج سے بلا کر بنگال میں آباد کیا اور نیز ان کے مدارج اور مناصب بھی مقرر کئے۔ (مصنف) +

سی تکلیفیں اور طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں ناقابل برداشت ہوگئیں تو ناچار گورنک ناتھ نے ترک وطن کا ارادہ کیا اور ابھی ان کی عمر سترہ ہی برس کی تھی کہ چپ چاپ گھر سے اس طرح نکل کھڑے ہوئے جیسے کہ اُن کو کبھی کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ ممالک شمال مغربی میں گھومتے رہے پھر بنارس آئے۔ غالباً اس وقت ان کے پاس صرف ایک لوٹا اور ڈوری ہی تھی۔ گھر سے نکلنے کے بعد اُس وقت تک وہ پنڈتوں اور براگیوں کی صحبت میں رہے۔ لیکن پوری دلجمعی نہوئی۔ پھر الہ آباد میں آکر گنگا جمنا کے سنگھم میں اشنان کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ اس وقت تک بھی دیوانہ وار حق کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ حقیقت میں اگر ان کی کتاب "متلاشی دین" کو غور سے پڑھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ اس میں اپنی زندگی ہی کے اُس حصے کا خاکہ کھینچ رہے ہیں۔ اشنان کرنے سے بھی جب ان کے دل کی بھڑک دور نہوئی تو اُنہوں نے اپنا جنیو اُتار کر وہیں پھینک دیا اور زبان سے یہہ فرمایا کہ پاپ کا اشنان کرنے آئے تھے بجائے اس کے تو بوجھ کا باعث اور گلے کا ہار ہوا۔ اور لقب چٹرجی کی طرف مخاطب ہو کر یوں گویا ہوئے کہ تو بھی تو مجھکو فخر خاندان کی یاد دلاتا ہے تجھکو بھی ترک کردوں تو اچھا ہے یہہ کہکر اُنہوں نے اس کو بھی وہیں چھوڑا۔ چنانچہ جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا بھی یعنے اس کے بعد جو اُن سے ملا۔ اُس کو اپنا نام صرف گورنک ناتھ ہی بتلایا۔ پھر وہاں سے چلکر پنجاب کا ارادہ کیا۔ کچھ مدت دہلی میں رہے پھر سہارنپور میں آئے وہاں سے کرنال میں آکر سرکاری دفتر میں ملازم ہوگئے۔ اسی اثنا میں پادری نیوٹن صاحب براہ کرنال لودیانہ جارہے تھے۔ اُن دنوں ایک جگہہ سے دوسری جگہہ جانے کے لئے کوئی سڑک نہ تھی سڑک تو رہی ایک طرف کوئی چھوٹا موٹا رستہ بھی ہموار نہ تھا۔ اس لئے مسافروں کو بڑی وقت

اور تکلیف پیش آتی تھی - صرف کلکتہ سے چند میل یعنے برکپور تو سڑک تھی - آگے سڑک کے نام تک سے کوئی واقف نہ تھا - اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گولک ناتھ نے اپنے سفر کو اکثر پیادہ پا ہی طے کیا تھا - کہیں سادھو سنتوں کے جھونپڑوں میں - کہیں مہنتوں کے ڈیروں میں کہیں یوگیوں کے باغیچوں میں کہیں بیراگیوں کے دھرم سالوں میں ڈیرا جمایا - الغرض گلی گلی کی خاک چھانی اور در در سر ٹکرایا - بہتیرا سادھو سنتوں کی سیوا کی - جوگیوں بن باسیوں کی خدمت میں دن کو رات اور رات کو دن کر دیا مگر آہ وہ امرت جل وہ دُرِ مقصود جس کی تلاش میں گھر سے بے گھر اور وطن سے جلاوطن ہوئے دنیاوی عیش و آرام پر لات مار کر بے خانمانوں کی طرح آوارہ دشت محن ہوئے تھے ہاتھ نہ آیا پر نہ آیا - اور آخرالامر باصد اندوہ و یاس حسرت بھرے دل کو پہلو میں لئے لئے پھرتے پھراتے کرنال میں آئے - یہاں پادری نیوٹن صاحب مسافر بنگلے میں ایک دو روز کے واسطے ٹھہرے ہوئے تھے جب گولک ناتھ کو خبر ملی تو وہ پادری صاحب کی ملاقات کے واسطے آئے - پادری صاحب نے انہیں صلاح دی کہ وہ لودیانہ میں آکر ملیں اسی اثنا میں ان کی بیوی کے مر جانے کی خبر جسکو وہ کلکتہ میں چھوڑ آئے تھے ملی - جس سے ان کے دل پر ایک بھاری صدمہ پہنچا - غریب الوطنی کی مصیبتیں تو تھیں ہی ایک ایسی مونس اور غمگسار کی دائمی مفارقت کا قلق اور الم مزید برآں ہوا اور اس خبر نے گویا ان کے خرمن عیش پر بجلی کا کام دیا - چند روز بعد نوکری چھوڑ کر توکل بخدا لودیانہ کی طرف روانہ ہوئے - اور لودیانہ پہنچے ان کی اس وقت کی ہیئت کذائی کو پادری نیوٹن صاحب نے اپنی کتاب تواریخ لودیانہ مشن میں یوں ظاہر کیا ہے - کہ جب وہ مشن بنگلے پر آئے تو ان کا لباس سیدھا سادہ اور صوفیانہ تھا

شکل وشباہت سے وجیہہ معلوم ہوتے تھے۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی انگریزی انجیل تھی یہاں پر جب اُن کی سرگذشت سنی گئی اور ان کے بیانات کی صحت کا کلی یقین ہوگیا۔ تو رہایش کے لئے اُنہیں ایک کمرہ دیا گیا۔ اور انجیل کے مطالعہ اور اس پر مزید غور کرنے کے لئے ان کی توجہ دلائی گئی۔ اُس وقت ان کی عمر جبکہ اُنہوں نے بتپسمہ پایا اُنیس ہی برس کی تھی ان کے واقعات زندگی سے ظاہر ہو کہ ان کی طبیعت مطلق دنیا کے ڈھب کی نہ تھی وہ دنیاوی خواہشوں اور جذبات کو ہیچ اور بے وقعت محض سمجھتے تھے ان کو اگر کسی چیز کی تلاش تھی تو وہ خدا کی ذات تھی اور بس اُنکا عمل مسیح کے اس قول پر تھا کہ "پہلے خدا کی راستبازی کو ڈھونڈو تو باقی چیزیں تمکو دی جاوینگی" دُنیا میں دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک تو وہ جو مآل کار سے بیفکر ہیں۔ ان میں دینداری کی بو تک نہیں اور موجودہ دنیاوی تعلق کو ہی اپنی زندگی کی علت غائی سمجھتے ہیں۔ اور عاقبت کا مطلق خیال نہیں کرتے دوسرے وہ لوگ ہیں جو تفکر اور تدبر سے کام لیتے اور دینی خیالات کو ہمیشہ نظر کے سامنے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی متلاشی ہوتے ہیں ان کے خدا کی رضا جوئی میں محو ہو جانے والے دل کو دنیاوی باتوں سے ذرہ تسلی نہیں ہوتی یہی حال گولک ناتھ کا تھا کہ وہ اس وقت تک برابر خدا کی تجسس میں سرگرم رہا جبتک کہ اُس نے اُس کو نہ پالیا۔ علاوہ ازیں حقیقی متلاشی کی طبیعت تعصب سے خالی اور شہادت حقہ کی قبولیت کے زیور سے (خواہ وہ اُن کی طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو) متحلی ہوتی ہے سو گولک ناتھ صاحب بھی منجملہ ان بزرگوں کے ایک تھے۔ اُنہوں نے مسیحی مذہب کو بے سوچے سمجھے قبول نہیں کیا۔ بلکہ کافی غور و خوض کے بعد اُنہوں نے اس نازک جوئے کو اپنی گردن پر رکھا۔ اُن کے وطن چھوڑنے کا باعث

بھی یہہ نہیں تھا کہ وہ مسیحی تھے - کیونکہ وطن چھوڑنے اور کچھ عرصہ بعد تک بھی وہ ایک متلاشیانہ حیثیت ہی میں رہے تھے - وہ وطن سے بھی نکلے تو محض اس لئے کہ جس طرح ہو سکے سچائی کو معلوم کریں - خدا کی مرضی کو پہچانیں - علاوہ ازیں خانگی معاملات کے جھگڑوں میں اُن کی طبیعت اُچاٹ ہو چلی تھی - گھر میں ان کو دنیاوی عیش و آرام کے سامان تو کافی مہیا تھے مگر اُن کی دلی پیاس بجھانے کے لئے ایک ایسے آبحیات کی ضرورت تھی جو وہاں موجود نہیں تھا اور اسی لئے ان کو اسی چشمے کی تلاش میں آوارہ دشتِ غربت ہونا پڑا - خدا کی ربوبیت بھی ایک عجیب صفت ہے کہ سچے متلاشی کو اندر ہی اندر نامعلوم طور پر اپنی طرف کھینچتی اور رہنمائی کرتی ہے یہاں تک کہ مختلف تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد انجام کار اسکو غایت مطلوبہ اور صراط مستقیم کی طرف کھینچ ہی لاتی ہے - اسی ربوبیت کی تشریح گولک ناتھ نے بھی اپنی کتاب متلاشی دین میں واضح طور پر کردی ہے +

غرضکہ عیسائی ہونے کے بعد سنہ ۱۸۴۷ء تک وہ مشن کے تعلیمی سلسلے میں معاون رہے اِن ہی ایام میں جبکہ لودیانہ پریسبٹیری قایم ہو چکی تھی - پنجاب میں صرف لودیانہ ہی کی ایک کلیسیا تھی جس کے فقط چھ رکن تھے - اس کلیسیا کا ایلڈر (قسیس) ایک امریکن مارس نامی تھا -

پادری نیوٹن صاحب اس وقت کلیسیا کے قایمقام پاسٹر مقرر ہوئے اور گولک ناتھ صاحب زیر نگرانی پریسبٹیری لئے گئے - اور ان کو ہدایت ہوئی کہ پادری صاحب موصوف کے ساتھ ملکر مذہبی کتب کا مطالعہ کریں سنہ ۱۸۴۱ء میں پادری صاحب سے کلیسیا نے منصب پاسبانی قبول کرنے کی استدعا کی سنہ ۱۸۴۲ء میں پاسٹر مقرر ہوئے سنہ ۱۸۴۴ء میں کلیسیا نے گولک ناتھ صاحب

کو اپنا قسیس مقرر کیا۔ اس وقت ممبران کی تعداد اٹھارہ تک پہنچ گئی تھی۔ مگر اس میں سباٹو کے ممبر بھی شامل تھے۔ الڈرس کا کام انہوں نے خاطر خواہ طور پر انجام دیا۔ ۱۸۴۶ء میں لودیانہ پریسبٹری کے جلسے کے موقعہ پر گولک ناتھ الڈرس کی حیثیت سے بطور ممبر شریک ہوئے۔ اس وقت اُنہوں نے پریسبٹیری سے دورۂ پنجاب کی اجازت مانگی۔ یہ ٹھیک انہی دنوں کا ذکر ہے جبکہ سکھوں کی پہلی لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے عہد نامہ مورخہ ۹۔ مارچ ۱۸۴۶ء کے رو سے۔ دوابہ بست جالندھر بسایہ حمایت سرکار انگلشیہ قرار پا چکا تھا۔ دوابہ مذکور کے باشندوں کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ حب الوطنی اور بہادری کا نام تک ندارد تھا۔ ہر ایک کے دل میں خود غرضی۔ کاہلی۔ آرام طلبی سما رہی تھی۔ ادھر خالصہ سپاہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ عالم بدحواسی میں چھکے چھوٹ رہے تھے لوگوں کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ چنانچہ سردار جواہر سنگھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کا چچا اور وزیر بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ بلکہ یہاں تک بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس وقت وزیر مذکور کی لاش مرگھٹ کی طرف لیجا رہے تھے۔ اور اُس کی رانیاں حسب قاعدہ مذہب اپنا نقد و جنس اور جواہرات وغیرہ خیرات کے ارادہ سے خدمتگاروں سے اٹھوائے ہوئے ہمراہ تھیں۔ جاہل اور سفاک سپاہیوں نے نہایت ہی بے رحمی سے انکا سارا مال و متاع۔ رستے ہی میں لوٹ لیا اور چتا پر چڑھتے چڑھتے ان کا وہ زیور بھی جو مذہبی طور پر انہوں نے پہنا ہوا تھا گھسوٹ لیا۔ حتّٰی کہ آگ میں سے اُن قیمتی چیزوں کو بھی جو لباس میں ٹکی ہوئی تھیں ڈھونڈ ڈھانڈ کر نکال لیا۔ اُن دنوں دریائے ستلج سے صحیح و سالم عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ وحشی سپاہیوں کی لوٹ گھسوٹ کا ہر دم خطرہ لگا رہتا تھا۔ اول تو کوئی سفر کے نام ہی سے کانوں پر ہاتھ رکھت

یا اُس روزانہ ہوا کی طرح ہو جو ہمارے لئے سرمایہ صحت وحیات ہے - غرضیکہ اسی طرح گولکناتھ
میں مسیحی خوبیاں ظاہر ہوتی رہیں مسیحی ہوتے ہی اُس اطمینان کے باعث جو اُن کے دل میں
پیدا ہوا - اُن کا خیال منتشر نہیں ہوا - وہ دُنیاوی فکروں اور بکھیڑوں سے ایسے آزاد تھے
کہ گویا اُنکو اس سے کچھ تعلق ہی نہیں رہا تھا - بلکہ عیسائیت اُن کے رگ وریشہ میں ایسی رچ گئی
کہ وہ آخر کار یہہ کہے بغیر نہ رہے کہ پہلے میں اندھا تھا اب دیکھتا ہوں - پھلور میں اگر پادری صاحب
نے مسیح کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا - اس وقت یہہ ایک ایسی جگہہ تھی جہاں پہلے کسی انجیل
کے قاصد نے کبھی قدم بھی نہیں رکھا تھا - واعظ مذکور کو دوران سفر میں بہت سی تکالیف
کا سامنا ہوا - چنانچہ ایکدفعہ بدمعاشوں کے گروہ نے اُن کو گھیر لیا - اور گردن سے پکڑ کر
گھسیٹتے ہوئے اُس قلعے کی جانب لیگئے جو ۱۸۰۹ء کے عہدنامے کے بعد تعمیر ہوا تھا - اِن
ناعاقبت اندیشوں نے نہ صرف اُن کو چند گھنٹوں تک بھوکے پیاسے ہی رکھا بلکہ خراس کی
چکی کا پاٹ ان کی چھاتی پر رکھکر کئی گھنٹے تک انہیں زمین پر لٹاکر سخت اذیت پہنچائی = اور اُس
وقت تک وہ مختلف تکالیف کے شکنجے میں مبتلائے عذاب رہے جب تک کہ اُنہوں نے اپنا پروانہ
راہداری ایک افسر مجاز کو دکھا کر نجات پائی - پھر اس کے تھوڑے عرصہ بعد مدی آباد میں
اسی اعلان حق کی بدولت وہ کاٹھ مارے گئے اور بڑی تکالیف اٹھانے کے بعد وہاں سے
نجات پائی - گولکناتھ کی منادی کا پہلا کام جو اُن سے ظہور میں آیا قابل غور ہے - اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں مسیحی مذہب کا پہلا بیج بونے والا ایک ہندوستانی ہی تھا اور وہ
ایک ایسا آدمی تھا کہ جو آغاز شباب ہی سے وطن کو ترک کرکے مسیح کی خاطر جلاوطنی کے صدمے

برداشت کرتا رہا۔ اور لطف یہہ کہ ہر وقت راضی برضا کے ہی مسلک پر چلتا رہا تھا +

پنجاب میں مسیحی مذہب کا آغاز شروع دسمبر ۱۸۴۶ء میں بطور کی اُس متبرک جگہہ سے شروع ہوتا ہی جہاں گولک ناتھ نے پادری کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے کھڑے ہو کر مسیح کی بشارت کا بڑے جوش سے اعلان کیا +

معزز ناظرین! گولک ناتھ کی مذکورہ بالا مشکلات اور تکالیف کے مقابلے میں بہادر گولکناتھ کا پورے استقلال اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا ہماری ہدایت کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہی۔ بلکہ انکا یہہ بہادرانہ کام صاف بتلا رہا ہو کہ پنجاب مسیحی مذہب کے لئے ایسے ایسے مردوں یا عورتوں کی تھک ہمتوں کے آگے (خواہ وہ کسی حیثیت یا درجہ ہی کے کیوں نہوں) بلا زور شمشیر فتح ہونے کو تیار ہی بشرطیکہ وہ مرحوم کے نقش قدم پر چلکر روح کی طاقت سے حقیقی سچائی کو ظاہر کر کے دکھا دیں پہلے آپ تصدق ہو کر اوروں کے لئے ایک زندہ نمونہ قایم کریں۔ گولک ناتھ کی زندگی اس سے بھی عجیب جلوہ ہوتی ہی کہ ہر قدم پر خداوند تعالیٰ نے خود اُن کی رہنمائی کی۔ گویا کہ ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر لگایا۔ ان کا بچپن ہی میں وطن چھوڑ دینا اور حیرت میں ڈالنے والے کام کرنا واقعی لایق تعریف و توصیف ہیں یہاں پر اس قدر اور ظاہر کر دینا بھی نامناسب نہیں کہ دیگر مسیحی اصحاب جو پنجاب میں تشریف لائے وہ بلائے ہوئے آئے تھے اور ان کی زندگی کا کام بھی ان کے لئے مقرر تھا لیکن گولک ناتھ صاحب نے اپنے وطن چھوڑتے ہوئے مطلق نہیں جانا کہ میں کہاں کہاں جاؤنگا اور کہ میرا کیا حشر ہوگا چونکہ وہ توکل بخدا اپنے گھر سے چل کھڑے ہوئے تھے اس لئے خدا نے ہی ان کی ہدایت اور حفاظت بھی کی۔ وہ اگر بنگال ہی میں رہنا چاہتے تو بھی ڈف صاحب

کے ذریعہ (جو عزت تعظیم اور رسوخ کے لحاظ سے کلکتہ کے مشاہیر میں سے تھے) اپنی معاش کا بخوبی انتظام کرا سکتے تھے۔ اور اسطرح آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر وہ تو دُنیا اور اُس کے لوازمات عیش و عشرت کو ہیچ محض سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں ایک ہی یہہ خیال سمایا ہوا تھا کہ جس طرح ہو سکے خدا اور اس کے پاک دین کی خدمت کی جاوے۔ وہ راہِ حق میں اپنی جان تک دینے کو زندگی کا اعلیٰ معراج سمجھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اُنہوں نے شروع ہی میں اپنی تکالیف اور نقصانات کا بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا کیونکہ جب وہ پنجاب آکر مقیم ہوئے تو اُن دنوں بھی اُن کو دو مختلف موقعوں پر اعلیٰ درجہ کی ملازمت کی ترغیب دی گئی ایک تو لودیانہ کے پولیٹکل ایجنٹ کی طرف سے جبکہ وہ کابل کی مہم پر بہ حیثیت سفیر جا رہا تھا دوسرے موقعہ پر مہاراجہ رندھیر سنگھ والی کپورتھلہ نے ان کو ایک اعلیٰ درجہ کے عہدے کے لئے جالندھر سے بُلوایا مگر اس جوانمرد نے دونوں ہی موقعوں پر انکار کیا اور دنیاوی جاہ و حشمت پر لات مار کر کہا تو یہہ کہا کہ میں مسیح میں رہ کر اپنے نقصان کو اس دولت سے جو اُس کے بغیر حاصل ہو ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں۔ ہمیشہ **خود انکاری** اور راہِ خدا میں جان نثاری کے طریق پر چلتے رہے۔ اور خداوند نے بھی ان پر مختلف طریقوں سے برکت نازل کی جو کہ ایماندار کے لئے اُس کی وفاداری کا موعودہ انعام ہے (یعنے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جس نے ماں باپ جورو بہن بھائی گھر بار اور ملک کو میری اور انجیل کی خاطر چھوڑا ہو اور وہ اُس سے سو گنا زیادہ موجودہ دُنیا میں اور آنے والی دُنیا میں ہمیشہ کی زندگی نہ پائے) ۱۸۴۳ء کی اخیر میں جبکہ اُن کے کل امتحان ختم ہو گئے تو یکم جنوری ۱۸۴۴ء میں مسیحی کام کے لئے بطور پادری کے نامزد ہوئے۔ ان کی تقرری کے موقعہ پر پادری نیوٹن صاحب نے دُعا کی

اور انہیں وہ اختیارات جو اس عہدے کے لئے مخصوص تھے تفویض کئے اور اُسی شام کے ساتھ بجے تحریک ہو کر قرار پایا کہ پادری گولک ناتھ صاحب کو ہدایت کی جاوے کہ وہ فی الحال جالندہر میں اپنا کام شروع کریں اور یہہ بھی ایما ہوا کہ اگر مناسب سمجھیں تو اسی سال وہاں ایک کلیسیا بھی قایم کریں۔ پس جب وہ جالندہر میں آئے تو وہاں کے انگریز صاحبان نے انکی بڑی مدد کی۔ وہاں جا کر اُنہوں نے جالندہر کو دیا اور جنگ سے تاراج پایا۔ مشن کے قایم کرنے کے لئے انگریز صاحبان نے ایک قطعہ زمین جو شہر اور بستیوں کے مابین واقع تھا عطا کیا اس وقت تک تو وہ ایک جنگل ہی تھا اور وہ سامان جو آیندہ ترقی کے معاون ہوتے موجود نہ تھے۔ تو بھی پادری گولکناتھ صاحب کمر ہمت چست باندہ کر اپنی پوری طاقت سے اپنے مفوضہ کام میں مصروف ہو گئے۔ زمین آراستہ کی گئی جنگل کاٹے گئے۔ اور مشن احاطے کا نقشہ مرتب ہو گیا اور اُس کو بتدریج ترقی دیگئی۔ اور اِسیطرح آناً فاناً آبادی کے باعث اس سنسان بیابان میں خاص رونق ہوگئی گویا کہ جنگل میں منگل ہو گیا ہر طرف چہل پہل اور رونق ہی رونق نظر آنے لگی ✣

اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی انتظامی لیاقت اور قابلیت کیسی قابلِ تعریف تھی۔ اور وہ اپنے کام کے ہر ایک پہلو پر کیسے حاوی تھے۔ جب مشن احاطے کی یہہ صورت ہوگئی کہ ہر طرف رونق اور آبادی ہی کے آثار نظر آنے لگے اور بستی قایم ہوگئی تو ان کی پہلی کوشش یہہ ہوئی کہ کسی طرح شہر جالندہر میں ایک انگریزی مدرسہ کھولیں۔ اِسوقت جالندہر میں تعلیم کے نام سے کوئی آشنا نہیں تھا۔ شروع شروع میں تو ان کو بڑی دقتیں پیش آئیں کیونکہ لوگوں کو انگریزی تعلیم ایک ہوا سی معلوم ہوتی تھی۔ مگر پادری صاحب میں یہہ ایک خاص کمال تھا کہ وہ اپنے حسن خلق

سے غیروں کو اپنا بنا لیتے تھے۔ اُن کی زبان میں ایک عالم کو تسخیر کرنے والا جادو تھا کہ جسے اُنہوں نے ہر کہ و مہ کو اپنا گرویدہ احسان بنا لیا تھا۔ بقول لیکہ ؎ اثر لبھانیکا پیارے تیری زبان میں ہے + کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے + چنانچہ اسی سحر بیانی۔ ملنساری اور شیریں کلامی سے عوام کے دلوں کو تسخیر کیا اور لوگوں کے دلوں میں اپنے رعب خداداد کا سکہ جما لیا تھا +

مدرسہ میں پہلے پہل تو چند خاندانی طلباء ہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے مگر پھر جوں جوں لوگوں میں علم کی قدر بڑھتی گئی طلباء کی تعداد بھی بہ تدریج روز افزوں ترقی کرتی گئی یہانتک کہ قریباً سات سو طلبہ خاص مدرسہ اور اُس کی شاخوں میں داخل ہو گئے۔ اس وقت موجودہ ضابطہ تعلیم تو تھا نہیں لہذا پادری صاحب نے ڈاکٹر ڈف کا ہی آزادانہ طریقہ اپنے سکول میں رائج کیا۔ سائنس پر سب سے زیادہ زور دیا آلات وغیرہ ولایت سے منگوائے اور خود بھی درس دیتے رہے اور کلکتہ سے بھی لایق و فایق اُستاد منگوائے جن میں سے مفصلہ ذیل صاحبان ابتک سررشتہ تعلیم پنجاب کے فخر سمجھے جاتے ہیں۔ پادری کے۔ سی۔ چٹرجی صاحب ہوشیارپور میں۔ بابو برج ناتھ مِتر مرحوم جالندھر میں پادری رام چندر داس صاحب لاہور میں۔ بابو آر آر راتا صاحب شملہ میں۔ بابو نیل مادھب مِتر صاحب ہوشیارپور میں پادری بھولا ناتھ گھوس صاحب کراچی میں۔ بابو شاشی بھوشن مِتر صاحب امرتسر میں بابو بھوبن موہن بوس صاحب ڈیرہ دون میں وغیرہ وغیرہ۔ سکول کے متعلق بہت سے جلسے ہوتے رہے۔ اور لاٹ صاحبان اپنی تشریف آوری سے مدرسہ کو مشرف فرماتے رہے تعلیمی معاملات میں ان کا بڑا فروغ ہوا۔ اور کیوں نہوتا۔ جس طرح ڈاکٹر فورمن صاحب نے لاہور میں

تعلیم کی بنیاد ڈالی اسی طرح پادری گولک ناتھ صاحب نے جالندھر میں۔ خاکسار یہاں تک لکھ چکا تھا کہ لاہور کا ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار ٹریبیون مورخہ ۸ جنوری ۱۸۹۶ء نظر سے گذرا۔ اس ایڈیٹوریل کالموں میں ایک مضمون پڑھا جس کا عنوان تھا "نظر ثانی دربارہ ترقی تعلیم پنجاب" اس مضمون میں علاوہ اُن خیالات کے جو تعلیم پنجاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے موجودہ لفٹننٹ گورنر نے ظاہر فرمائے ہیں۔ یہہ بھی لکھا ہو۔ کہ جب لودیانہ برٹش ہند کا پشاور سمجھا جاتا تھا اور جبکہ مہاراجہ دلیپ سنگہ کے دربار میں وہاں کا ریزیڈنٹ اندر ہی اندر خالصہ سلطنت کی بیخ کنی کر رہا تھا عین اسی وقت ایک امریکن پادری نیوٹن صاحب اور ایک بنگالی عیسائی یہہ سوچ رہے تھے کہ کیونکر تعلیم کی روشنی اس نئے علاقے میں پھیلائی جاوے۔ امریکن مشنری صاحب کا نام تو اوپر بتلایا گیا۔ مگر یہہ بتلانا ابھی باقی ہو کہ یہہ بنگالی عیسائی کون تھے؟ یہہ بنگالی عیسائی مسٹر گولک ناتھ صاحب تھے جن کی وفات کا ہر ایک کو رنج ہو یہہ صاحب سب سے پہلے پنجاب کے زرخیز میدان میں آئے کیونکہ مسز مکینزی صاحب کے روزنامچے میں ان کا نام پایا جاتا ہو۔ یہہ وہ میم صاحبہ تھیں جو عام طور پر ہر دلعزیز تھیں نہ فقط افغانی شہزادوں میں بلکہ اپنے ہموطنوں اور اہل پنجاب کی نظروں میں بھی۔ وہ نہایت عزت اور تعظیم کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ جنابہ ممدوحہ اکثر اس نوجوان بنگالی سے ملاقات کرتی رہتی تھیں چنانچہ میم صاحبہ نے اپنے روزنامچے میں ان کی بڑی تعریف لکھی ہو جنابہ ممدوحہ نے ان کو نہایت ہی دیندار اور اپنے منصبی فرائض کے پورا کرنے میں دلی شوق سے کام کرنے پر دلیر اور سرگرم پایا۔ یہہ وہ خوبیاں تھیں جو ڈاکٹر ڈف صاحب کی تعلیم اور تربیت اور دیندارانہ تاثیر کا نتیجہ سمجھنی چاہئیں گولک ناتھ نے تعلیم کے متعلق جو کارنامے لودیانہ اور بعدازاں جالندھر میں (جہاں پر کہ وہ اپنے کام پر مستقل ہو گئے اور اپنی

زندگی کا بہترین حصہ بسر کیا ہے ایک پرچا اس صوبہ کی تعلیمی تواریخ سے واقف ہے ظاہر اور آشکارا ہے ÷÷

تعلیم کی اشاعت کے ساتھ ہی انہوں نے خدا کے پاک کلام کو بھی پھیلانا شروع کیا کتب فروش اور مناد مقرر کئے گئے اور خود بھی دورہ کرنا شروع کیا۔ یہانتک کہ جوالہ مکھی۔ تھانیسر اور ہر دوار کے مشہور مقامات میں بھی دورہ کیا۔ پاسبانی کا کام جس خوبی اور لیاقت سے چلایا وہ ان کے حسن لیاقت کا کافی گواہ ہے۔ غریب خانے کھولے۔ تحریر کے ذریعے بہت سے مفید خیالات پھیلائے۔ مشن کی اس امداد کے علاوہ ان میں یہہ ایک بڑی بھاری خوبی تھی کہ مشن کی امداد کے واسطے اپنے دوستوں سے چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کا بھی ان پر ایسا اعتبار تھا کہ وہ روپیہ جیسی عزیز چیز جس کی نسبت عام طور پر یوں مشہور ہے۔ بیت جاں گر طلبی مضائقہ نیست ÷ زر می طلبی سخن دریں است ÷ بہ طیب خاطر بلا عذر حاضر کر دیتے تھے۔ اور اس طرح ایک معقول رقم کبھی دو سو کبھی ڈھائی تین سو روپیہ تک ماہوار جمع ہو جاتی تھی جس طرح ہندوستانیوں میں ان کا رسوخ اور اعتبار تھا ویسا ہی انگریزوں میں بھی تھا چنانچہ انگریز افسران جالندھر ان پر ہمیشہ مہربانی کی نگاہ رکھتے تھے ان میں وہ جلیل القدر انگریز صاحبان بھی تھے جن کو برٹش تاج کا قیمتی موتی سمجھنا کچھ بھی مبالغہ نہیں ہے۔ جیسے سر رابرٹ منٹگمری صاحب۔ جنرل لیک صاحب۔ سر جان لارنس صاحب۔ سر ڈانالڈ مکلوڈ۔ سر ہربرٹ ایڈورڈز۔ جنرل ٹیلر۔ مسٹر پرنسپ۔ مسٹر طول۔ مسٹر برانڈرتھ۔ مسٹر ٹریلیٹ۔ مسٹر بارکلی کرنل گارڈن ینگ اور مسٹر میکو تھ نیگ صاحبان۔ وغیرہ وغیرہ۔ گولک ناتھ صاحب

ہمیشہ اسی طریق پر چلتے رہے کہ جو افسر صاحب اُن کی ملاقات کو آتے اُن کو اپنے کام کا معائنہ کرائے بغیر نہ رہتے جو خواہ مخواہ بھی ان کو اس کام کی امداد کی تحریک اور تشویق کا باعث ہوتا۔ یہانتک کہ ہندوستانی رؤسا بھی ان کی امداد سے پہلوتہی نہ کرتے تھے غرض کہ امیر سے غریب اور یورپین سے دیسی تک کے دلوں میں ان کے اعتبار اور تعظیم کا درجہ یکساں قایم تھا۔

میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہونیکی وجہ سے وہ ہمیشہ غریبوں اور بیکسوں کی امداد کیا کرتے تھے گورنمنٹ اکثر ضروری ملکی معاملات میں ان سے استصواب کیا کرتی اعلیٰ حکام کا ان کی نسبت یہانتک حسن ظن تھا کہ جب ایک نوجوان یورپین افسر پنجاب کی سیر کی غرض سے انبالے میں سٹر رابرٹ منٹگمری کے پاس آئے تو صاحب موصوف نے اُن کو فرمایا کہ اگر آپ کسی لایق ہندوستانی کو دیکھنا چاہتے ہیں تو جالندھر میں گولک ناتھ سے ملاقات کیجئے۔

ایک موقعہ پر جبکہ وہ گرجا گھر میں وعظ کہہ رہے تھے تو ایک انگریز صاحب بھی انکی وعظ میں موجود تھے وعظ کر کے ممبر سے اترے ہی تھے کہ صاحب موصوف نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر ایک سو روپیہ کا نوٹ دیدیا اور مبارک باد دیکر چلے گئے غرض کہ یہہ ایک ایسی نظیر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ گولک ناتھ کا انگریز صاحبان کے دل میں کہانتک اعتبار تھا۔

گولک ناتھ صاحب ۱۸۴۷ء کے شروع میں جالندھر وارد ہوئے اور اسی سال کے اخیر میں اُنہوں نے وہاں ایک کلیسیا بھی قایم کر لی جس کا پہلا قسیس جان بپٹسٹ گوئیس مقرر ہوا اس وقت اراکین کلیسیا تعداد میں سات تھے اس کلیسیا نے تیس ۳۰ روپیہ

چندہ دیا۔ کچھ مدت کے بعد بیچارے جان ہنٹسٹ لوئیس کا پیمانہ عمر لبریز ہوا۔ یہہ مرحوم پادری گولکناتھ ہی کے ساتھ لودیانہ سے تشریف لائے تھے اور اخیر سال تک تعلیمی کام میں پادری گولک ناتھ کے دست و بازو ثابت ہوئے گو وہ چند ہی روز جالندہر میں رہے مگر کلیسیا اس قلیل عرصے کے لئے بھی اُن کو بھول نہیں سکتی وہ بڑ کا درخت جو اُنہوں نے مدرسہ کی عمارت کے پاس ہی لگایا تھا ابتک یادگار کے طور پر موجود ہی اور اس کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں گویا وہ درخت زبان حال سے ناظرین کو یہہ بتلا رہا ہی کہ جیسے اس کی جڑیں زمین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور مدت تک آندھی اور طوفان کے مقابلہ پر ڈٹی کھڑی رہی ہیں اور ابتک بھی قایم ہیں ٹھیک ویسے ہی وہ کلیسیا بھی جس کو گولک ناتھ نے قایم کیا اور جس کا ابتدائی الڈر جان لوئیس تھا ابتک موجود ہی اور تا قیام قیامت انشاء اللہ بدستور قایم رہیگی۔ کیونکہ اس کے ایمان اور یقین کی بنا چٹان پر ہی اور کسی قسم کے طوفان یا بادسمہ کا اُس کو مطلق خطرہ نہیں +

جان لوئیس کی میم صاحبہ ابتک زندہ ہیں اور ان کے صاحبزادے مسٹر جارج لوئیس جو فورمن کالج کے پہلے گریجایٹ ہوئے ڈسٹرکٹ جج کے عہدے کو زینت دے رہے ہیں اور کمال خوبی اور لیاقت سے اپنے مفوضہ کام کو چلا رہے ہیں ان کے علاوہ میم صاحبہ مرحوم کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہی اور یہہ خاندانی پودا خدا کے فضل سے خاطر خواہ ترقی اور برکتوں سے مالامال ہو رہا ہی اور میم صاحبہ اپنی آنکھوں سے اپنے اس خاندانی باغ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوشی سے پھولی جامے میں نہیں سماتیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتی ہیں +

۱۸۴۹ء میں جبکہ سارا پنجاب سرکار انگلشیہ کے قبضے میں آگیا تھا ہمارے عزیز

اور بزرگ پادری عبد اللہ صاحب نے گولک ناتھ کے ہاتھ سے بپتسمہ پایا۔ اور معاون کے طور پر مدت تک اُن کے ساتھ رہے۔ اپنی ذاتی شرافت اور نیک چلنی سے بہ تدریج خادم الدین کے عہدے پر پہنچ گئے اور مدت مدید تک ضلع ہوشیار پور کے مقام گھوڑا واہا میں پاسبانی اور ڈاکٹری کے کام پر مامور رہے۔ وہ اور ان کی میم صاحبہ ابتک خدا کے فضل سے زندہ موجود ہیں اور وہ بھی مسز لوئیس صاحبہ کی طرح خاندانی برکتوں سے مالامال ہیں ان کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ اور دونوں ہی پنجابی مسیحیوں کے لئے باعث فخر ہیں۔ اور بڑی لیاقت سے اپنے اپنے کاموں کو سر انجام دے رہی ہیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹری کے کام پر متعین ہیں اور دوسری زنانہ مدرسوں کی آجکل پرنسپل ہیں۔ ان کے صاحبزادے جالندھر کی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکرٹری ہیں۔ اور کل خاندان جالندھر کلیسیا کا پورا مطیع ہے +

گولک ناتھ نے میدانِ تصنیف میں بھی قدم بڑھایا۔ "جامع الفرائض" "متلاشی دین" "ٹھووایت پناسن" "صبح کا بھولا شام کا لوٹا" منجملہ آپکی تصانیف کے ابتک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کئی ٹریکٹ بھی لکھے۔ کرتارپور کے گرو صاحب کے ساتھ آپکا دوستانہ تعلق تھا اور اس لئے اس کے ذریعے گرنتھ کی ایک کاپی بھی ان کے ہاتھ آگئی۔ اُنہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مگر وہ شایع نہیں ہو سکا غالباً اس وجہ سے کہ غدر کے موقعہ پر مشن کی کتابوں اور ٹریکٹوں کا ذخیرہ باغیوں کے ہاتھوں سے جلایا گیا تھا۔ اور وہ بھی اس میں جل گیا ہوگا۔ گولک ناتھ نے پنجاب میں آکر پنجابیوں کے ساتھ دوستانہ میل جول کے تعلقات بڑھائے۔ اور ان کو استحکام بخشا۔ وہ ہمیشہ پنجابیوں کا سا لباس پہنتے تھے اور آخر دم تک

اچھی لباس میں ہے۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ جس نے اُردو میں انہیں تقریر کرتے سُنا ہے۔ وہ اُن کی قادر الکلامی اور سحر بیانی کا دل سے قایل ہو گیا۔ وہ پنجابی بول اور سمجھ سکتے تھے۔ سنسکرت سے بھی ناآشنا نہ تھے۔ بلکہ جالندھر میں جب دیانند سرستی اور مولوی ولی محمد صاحب کا مباحثہ ہوا۔ تو سردار بکرما سنگھ اہلووالیہ کے ساتھہ یہہ بھی اس مباحثہ کے محاکم اور منصف مقرر ہوئے تھے۔ غرضیکہ اُردو۔ پنجابی۔ انگریزی اور اپنی مادری زبان بنگالی سے خاصے ماہر تھے۔ اور ایسی بےتکلفی اور شستگی سے ان میں کلام کر سکتے تھے۔ کہ زبان میں ذرا لغزش یا اجنبیت نہیں پائی جاتی تھی۔ سکھوں میں ان کا خصوصاً بہت کچھ ربط وضبط رہا بلکہ گانوٗں کے لوگ ان کو بیر باوجی کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اور کئی ایک انکو گوروجی کہکر پکارتے۔ یہانتک کہ بعض ہندو انکو پنڈت جی بھی کہتے تھے۔ غدر کے موقعہ پر انگریزی رعایا ہونیکی حیثیت سے جہانتک ہو سکا۔ اُنہوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور وفاداری اور نمک حلالی کا پورا حق ادا کر دیا۔ اُنہوں نے نہایت دور اندیشی اور عقلمندی سے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہہ بغاوت محض چند روزہ جاہلانہ شورش ہے۔ اور اسکا بیڑا فوج کے چند ناراض شدہ سپاہیوں نے اُٹھالیا ہے۔ جسکے ساتھ جیلخانہ کے رہا شدہ بدمعاش اور ڈاکو سردار بھی شریک ہو گئے ہیں اور ادھر دیہات میں بھی بعض اُن زمینداروں نے باغیوں کو مدد دی جنکی مقبوضہ ملکیتیں جاتی رہی تھیں اور جو اپنے زعم میں آسکو سرکار کا ظلم سمجھ بیٹھے تھے۔ غرضکہ کثرت سے اس قسم کے اشخاص اپنی ادعائی بے انصافیوں کا بدلہ لینے کے لئے چاروں طرف سے اُمنڈ آئے تھے۔ لیکن نرے انگریزوں ہی کی مخالفت کی وجہہ سے نہیں بلکہ عموماً لوٹ گھسوٹ کے لالچ پر بھی یہہ ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ غرضکہ جنرل لیک سے حکم پاکر کہ "وہ اور تمام عیسائی مشن احاطہ سے بھاگ نکلیں"۔ اُنہوں نے اُس کی بڑی زور

سے تردید کی لوگوں میں ان کی عزت اور وقعت کا یہہ درجہ تھا۔ کہ ان کو مطلق اُمید نہیں پڑتی
تھی کہ باغی ان سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کا بال بھی بیکا کر سکینگے۔ وہ خود مہاراجہ رندھیر سنگھ
والی کپورتھلہ کے ہمراہ شہر میں گشت لگاتے رہے۔ مگر جب فساد کا اندیشہ حد سے زیادہ ہوگیا
تو وہاں کے مسلمان بستی نے مسیحی بچوں اور عورتوں کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ چنانچہ جالندھر کے ڈسٹرکٹ
گزٹ میں مرقوم ہے کہ یہہ واقعہ قابل اندراج ہے۔ کہ ۱۸۵۷ء کے خوفناک مضطربانہ ایام میں۔ جبکہ
مسیحیوں کا کتوں کی طرح پیچھا کیا جاتا تھا۔ کہ بیرحمی سے ان کو قتل کیا جاوے اُس وقت جالندھر
کے ہندوستانی مسیحی اپنے پاسبان کے ہمراہ اپنے گھروں میں رہے اسبات پر پوری دلجمعی کر کے
کہ باغی لوگ ان کو کچھ اذیت نہیں پہنچا سکیں گے۔ علاوہ ازیں اُس نہ بھولنے والی رات کو جبکہ
دیسی فوج جالندھر میں مقیم تھی۔ باغی ہوگئی۔ تو اُس وقت مسیحیوں کو ان کے بھائی بندوں نے
شہر میں پناہ دی تاکہ وہ اُن بے رحم اور سفاک سپاہیوں کے خطرے سے محفوظ رہیں جو انگریزوں
کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ تاکہ انہیں ان کی پوشیدہ جگہوں سے نکالکر قتل کریں
مگر عیسائیوں کا بچاؤ مہاراجہ رندھیر سنگھ والی کپورتھلہ کی وجہہ سے بہت کچھ ہوا۔ جو کہ جالندھر
مشن کے خیر خواہ مربی تھے" مہاراجہ رندھیر سنگھ کو گولک ناتھ پر یہانتک اعتبار بلکہ اعتقاد تھا۔
کہ بڑے بڑے اہم ملکی معاملات میں ان سے صلاح اور مشورہ لیا کرتے تھے۔ غدر کے دنوں میں
چھاؤنی کی فوج نے مہاراجہ کو یہہ پٹی پڑھائی کہ اگر وہ انگریزوں کے برخلاف ان سے مل جاویں
تو وہ ان کی مدد کریں گے یہہ سنکر مہاراجہ نے ایسے خفیہ اور نازک معاملہ کو اپنے خیر خواہ مشیر
کے سامنے بیان کیا۔ اور اس سے صلاح پوچھی تو اُس نے یہی صلاح دی کہ انگریزوں سے بگاڑ

پیدا کرنا سخت غلطی ہو۔ اُنہوں نے کمال سنجیدگی سے مہاراجہ کو ایسی حرکت سے باز رکھا۔ چنانچہ انہی کے مشورے کا نتیجہ تھا۔ کہ مہاراجہ اور انگریزوں کی دوستی کے تعلق میں فرق نہیں آیا جنرل لیک صاحب نے ان کی اس خیر خواہی کی اطلاع گورنمنٹ کو کر دی تھی۔ اس طرح رفتہ رفتہ آخر کار مہاراجہ صاحب مشنری صاحبان کے بہت دوست بن گئے۔ یہاں تک کہ کپورتھلہ میں ایک گرجا گھر بھی تعمیر کر دیا تھا۔ بلکہ پادری وڈ سائڈ صاحب کو اپنے صاحب زادگان کھڑک سنگھ اور ہرنام سنگھ کا اتالیق مقرر کر دیا تھا۔ جس سے یہہ اُمید تھی۔ کہ ایک نہ ایک دن یہہ مسیحی بن جاویں گے۔ مگر افسوس کہ یہہ اُمید بر نہ آئی۔ لیکن آخر گولک ناتھ نے سکھوں میں سے کنور ہرنام سنگھ کے دل کو تیار کر ہی لیا۔ یہہ کنور صاحب مہاراجہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ اور کپورتھلہ خاندان کے سردار فتح سنگھ کی نسل سے چلے آتے ہیں جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب کا داہنا بازو سمجھے جاتے تھے۔ اور جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پنجاب پر متسلط ہونے کے دنوں میں اپنی جان نثاری اور وفاداری کے لئے شہرۂ آفاق ہیں +

جیسے کہ مذکور ہوا۔ پریسبٹیری کے ہدایت کے موافق پادری گولک ناتھ ازمائشی طور پر جالندھر بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کی اعلیٰ کامیابیوں کے باعث مشن نے کسی حالت میں بھی انہیں وہاں سے تبدیل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلکہ پورے مشنری اختیارات سے انہیں وہیں رہنے دیا۔ جوں جوں گولک ناتھ کے کام کو وسعت ہوتی گئی۔ وہ ترقی کے میدان میں اور آگے بڑھتے گئے یہانتک کہ ہوشیارپور کے ضلع میں گشت لگانا اور چندہ کرنا شروع کیا۔ ہوشیارپور میں کام کی بہترین صورت کی اُمید پر اُنہوں نے مشن سے درخواست کی کہ اس جگہہ میں بھی مشن کا کام جاری

کیا جاوے - چنانچہ مشن نے ان کی درخواست منظور کی - اور پہلے ہی پہل پادری گرو داس مترو صاحب ہوشیارپور بھیجے گئے - یہہ واقعہ ۱۸۶۸ء کا ہو - جبکہ بابو کالی چرن چیٹرجی صاحب ابھی تک تعلیم ہی کے کام میں مشغول تھے - مگر پریسبٹیری کی نگرانی میں آچکے تھے اس اثنا میں اُنہوں نے گولک ناتھ سے (جو اُن کی نظروں میں نہایت ہی معزز اور موقر تھے) ایک نزدیکی رشتہ قایم کرنیکی درخواست کی - چنانچہ آپ کی دوسری صاحبزادی مس میری گولک ناتھ صاحبہ کے ساتھ اُن کی شادی ہوگئی - کچھ عرصہ تک تو وہ گولک ناتھ ہی کے ساتھ مذہبی اور تعلیمی کام میں شریک رہے آخر الامر خادم الدینی کے عہدے پر ممتاز ہوئے اور پادری گرو داس مترو کے تھوڑے عرصہ بعد ہوشیارپور میں مقیم رہے - پادری کالی چرن چیٹرجی صاحب ایک لئیق بزرگ ہیں - اور اُنہوں نے نہایت قابلیت اور کامیابی سے شہر ہوشیارپور میں کام جاری کیا ہوا ہو - اور مشن کے ایک رکن رکین سمجھے جاتے ہیں - آپ مشن کی طرف سے اپنی میم صاحب کے ہمراہ یورپ اور امریکہ کو بھیجے گئے تھے - تاکہ مشن کے کام پر وہاں کے اہل ملک کو متوجہ کریں +

گولک ناتھ نے تعلیم نسوان کی طرف بھی توجہ کی - اور پوری کامیابی سے اُس کو انجام پر پہنچایا - شروع میں کچھ عرصہ تک تو ان کی بڑی صاحبزادی مس جینی گولک ناتھ صاحبہ تعلیم نسوان میں کوشش کرتی رہیں - جو آجکل ضلع جالندہر کے زنانہ مدارس کی انسپکٹرس ہیں - زنانہ مدارس کی ترقی میں یہاں تک کوشش کی - کہ خاص ولایت سے دو لایق مس صاحبان کو منگوایا - اور گولکناتھ صاحب کی تیسری صاحبزادی مس پرسلا گولک ناتھ صاحبہ تعلیم کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہیں

ہندوؤں کی ملکی حالت اور لوگوں کی وحشیانہ طرز تمدن اور اخلاقی نقایص پر غور کیجئے - تو صاف نظر آتا ہی

کہ ان دنوں میں تو مردانہ تعلیم کا ہی رواج دینا ایک ٹیڑھی کھیر تھا۔ چہ جائیکہ زنانہ تعلیم کی تکمیل کا بیڑا اُٹھایا جاوے۔ مگر یہہ دیکھ کر کہ بہادر پادری گولک ناتھ صاحب نے اپنے اعلیٰ رسوخ اور دیندارانہ رُعب اور اپنی خداداد لیاقت سے اُس کو کیسا پورا کر کے دکھایا۔ واقعی ایک دریائے حیرت میں ڈالنے والا واقعہ ہے۔ گولک ناتھ نے شروع ہی میں انعام اور وظایف سے طلباء کا دل لبھایا اور اسی طرح کے وسایل سے لڑکیوں کو بھی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ چندے یہی حال رہا۔ پھر تو خربوزے کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا گیا۔ اور آخر کار کام چل نکلا۔ چنانچہ ۱۸۶۹ء میں پادری گولکناتھ صاحب نے جالندھر میں ایک زنانہ نارمل سکول کھولنے کے لئے مسز کرنل ایڈورڈ لیک صاحبہ سے خط و کتابت کی اور آخر کار مس آرچرڈ اور مس کیمبل نارمل سکول سوسایٹی کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو کر آئیں اور پادری گولک ناتھ صاحب نے اس سکول کی امداد کے لئے گورنمنٹ سے عطیہ امدادی کی استدعا کی مسٹر ساندرس صاحب ڈپٹی کمشنر اور کرنیل کاکس صاحب کمشنر نے اس درخواست کی بڑے زور شور سے تائید کی۔ چنانچہ چٹھی مورخہ ۲۵ مئی ۱۸۶۹ء میں مسٹر ساندرس صاحب یوں لکھتے ہیں۔ کہ میرا یہہ کہنا صحیح ہے۔ کہ جالندھر ہی وہ پہلا مقام ہے۔ جہاں تعلیم نسوان کی کامیاب کوشش کیگئی ہے۔ اور جس کا ثمرہ ظاہر ہوا۔ گورنمنٹ نے بھی اس ضرورت کو تسلیم کیا۔ اور گرانٹ ان ایڈ عطا فرمایا۔ اس کے بعد باقی پنجاب میں بھی تعلیم نسوان کا چرچہ خود بخود ہو چلا تھا۔ حُسن اتفاق سے انہی ایام میں مسٹر رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر مقرر ہو کر پنجاب میں تشریف لائے۔ اُنہوں نے دربار عام کر کے تعلیم نسوان کی ترقی کی تحریک کی پھر تو لوگوں کو تعلیم نسوان کی طرف اور بھی توجہہ ہو چلی۔ گولکناتھ صاحب کی صاحبزادی ان دنوں مذکورہ بالا مس صاحبان کے ساتھ

تعلیم کے کام میں مشغول رہی۔ بعد ازاں اُن کی شادی سردار ہرنام سنگھ اہلوالیہ کے ساتھہ ہوگئی یہہ صاحب موجودہ راجہ صاحب کے حقیقی چچا ہیں اور مسیحی رفتار میں اپنی کنور رانی صاحبہ سمیت مسیحیوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہیں آپ کی تین صاحبزادے اس وقت ولایت میں تعلیم پارہے ہیں اور قوی اُمید ہی کہ اپنے والدین کی طرح وہ بھی فخر مسیحیان پنجاب ہوں گے۔ مس صاحبہ کی شادی ہونے کے بعد تعلیم کا کام ان کی والدہ صاحبہ نے اپنے ذمہ لیا اور خالص لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولے رکھا جس میں اُس وقت اسّی طلبا تعلیم پاتی تھیں اُن کی نگرانی میں ایک اور لئیق معلمہ مس سوفی بہار شاہ صاحبہ جو ڈیرہ دون اسکول کی تعلیم یافتہ تھیں کام کرنے پر مقرر ہوئیں۔ اور اس وقت سے لیکر آجتک جسقدر تعلیمی ترقی ظہور میں آئی ہی وہ محتاج بیان نہیں۔ آجکل چاروں طرف سے تعلیمی روشنی کی تیز شعاعوں سے چکا چوندی کا عالم ہی اس کی ابتداء ہیں سے شروع ہوئی۔ شہر سے لیکر دیہات اور بستیات تک جابجا زنانہ مدرسہ کھل رہے ہیں یہہ محض انہی دلوں کی ساعی جمیلہ کا نتیجہ ہی۔ اور یہہ اسی کا اثر ہی۔ کہ آجکل آریہ ہندو سبھائیں بھی تعلیم نسوان میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں ؎ اسی کے ہیں۔ یہہ سب نے چربے اُتارے ⁂ اسی قافلے کے نشاں ہیں یہہ سارے ⁂ غرض کہ ایسی ایسی کوششوں سے اب زنانہ تعلیم کی بہت کچھ کمزوری رفع ہوگئی۔ اور انشاء اللہ آیندہ کو بالکل رفع ہو جائیگی۔ بہت سی لڑکیاں۔ ایسی ہیں۔ جو تعلیم کا اعلیٰ زیور پہننے سے اپنے خاوندوں اور اُنکے کل خاندان کے لئے باعث فخر ہیں۔ اگر آج گولکناتھ صاحب زندہ ہوتے تو اپنی کوششوں اور محنتوں کو بار آور ہوتے۔ دیکھکر پھولے جامے میں نہ سماتے۔ اب بھی اگرچہ جسمانی طور پر ہمیں ان کی مسترت کا حال نہ بھی معلوم ہو۔ تو بھی ان کی روح ان کامیابیوں پر

ضرور خوش ہوتی ہوگی۔ چونکہ ڈیرے سکول کا کچھ ذکر آگیا ہے۔ اور نیز اس لئے کہ اس سکول سے مرحوم کا بھی تعلق رہا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں پر کچھ اس سکول کا حال بھی درج کیا جاوے۔ واضح ہو کہ غدر کے بعد ۱۸۵۹ء میں پادری ہیرن صاحب اور انکی میم صاحبہ کی زیر نگرانی مسیحی لڑکیوں کے لئے مقام ڈیرہ دون میں ایک مدرسہ کھولا گیا۔ رفتہ رفتہ اس سکول نے معقول ترقی کی یہانتک کہ اعلیٰ تعلیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی خصوصاً انگریزی تعلیم کی سخت ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں اس کی بھی ضرورت تھی کہ یورپین معلموں کے ساتھ کسی ہندوستانی معلم کی خدمات بھی مدرسہ کے متعلق حاصل کیجاویں۔ چنانچہ گولک ناتھ صاحب نے اپنی دوسری صاحبزادی مس میری کو جس کا اوپر کچھ ذکر ہو چکا۔ اور جو آگرہ میں مس فلرش کے انگریزی سکول کی تعلیم یافتہ لیڈی تھیں۔ اس کار خیر کے لئے سپرد کیا۔ چنانچہ مس موصوفہ اپنی شادی کے دنوں تک برابر سکول کے کام میں سرگرم رہیں +

گولک ناتھ اپنے مددگاروں کے ہمراہ مسیحی مذہب کی اشاعت عموماً دیہات اور بستیوں میں کیا کرتے تھے۔ انکی وعظ کا ڈھنگ بعینہٖ ہندوؤں کی کتھا کے ڈھنگ پر ہوا کرتا تھا جہاں جاتے دری بچھاتے۔ اور اس پر مربع بیٹھ کر وعظ کہتے۔ گاؤں کے میلوں اور مجمعوں کے موقعوں پر اکثر ویدانتیوں سے ان کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ پہلے تو وہ ان کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کی ایسی دھجیاں اور پرچھے اڑا کر دکھاتے۔ کہ ویدانتی ان کا مُنہہ دیکھتے اور ہاتھ ملتے رہ جاتے تھے۔ دیکھو ان کی پنجابی کتاب ادوایت بناس اس کے بعد مسیحی کلام

سُنانا شروع کرتے تھے - وہ ہمیشہ یہہ فرمایا کرتے تھے - کہ آدمی کا حلیم ہونا ہی شرط دینداری ہے - اور کہ انسان میں جبتک سیکھنے کی قابلیت اور طبیعت نہ ہو - وہ ہرگز دینداری میں ترقی نہیں کرسکتا - اور نہ اس کو حقانیت اور راستبازی نصیب ہو سکتی ہے +

منجملہ اور خوبیوں کے پادری گولک ناتھ صاحب میں ایک یہہ بھی بھاری وصف تھا کہ وہ کسی مذہب کی توہین نہیں کیا کرتے تھے - بلکہ بارہا اپنی کلام کی تائید میں کوئی نہ کوئی سنسکرت اشلوک یا گوبند سنگھ وغیرہ لیڈروں کے مقولے بطور استشہاد پیش کیا کرتے تھے ان کی معلومات دیگر مذاہب کی نسبت نہایت قدر کے قابل تھی - اور وہ اپنے مددگاروں کو ہمیشہ یہی صلاح دیا کرتے تھے - کہ جہانتک ہو سکے - غیر مذاہب سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے - اور یہہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مناد کو ہمیشہ دعا اور اُمید کا بندہ ہونا چاہئے عادات سیدھی سادی اور فقیرانہ ہوں - ہر ایک مسیحی کو کتب مقدسہ کے فضایل معارف اور حقایق سے کماینبغی واقف ہونا چاہئے - تاکہ غیر قوم کے مقابلے کے موقعہ پر انجیلی جوہر اچھی طرح کھل سکیں +

درس تدریس کے کام میں بھی آپ واقعی یدطولی رکھتے تھے - آپکا کلام پرزور اور بلا کا فصیح ہوتا تھا - تقسیم مضامین سادہ موزوں اور برجستہ ہوا کرتی تھی - آواز بلند اور دلنشین ہوا کرتی تھی - بیان میں بے ساختگی ادا کی صفت بڑی ہی بھلی معلوم ہوتی تھی - طرز بیان میں تکلف نام کو بھی نہ تھا - اور اس لئے قدرتی دلچسپ ہوا کرتا تھا - تقریر کے وقت مُنہ سے پھول جھڑتے تھے - بیان میں نری آمد تھی - آورد کا نام نہ تھا +

آپکا کلیسیائی انتظام بھی حکمت اور لیاقت سے خالی نہ تھا۔ پادری گولک ناتھ صاحب اور ان کی بیوی صاحبہ کا سلوک کلیسیا کے دیگر شرکاء سے ایسا تھا جیسا کہ والدین کا بچوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ شرکا کا باہمی اتحاد اعلیٰ درجہ کا تھا۔ مرحوم کو اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور اس لئے جونہی تعلیم میں ترقی ہوئی۔ اور انکی دو صاحبزادیاں تعلیم پاکر سکول سے واپس ہوئیں۔ اُنہوں نے فی الفور ایک سنڈے سکول کھولدیا۔ جن میں ان کی دوس صاحبان۔ ایمی اور پرسلانے بچوں کے سنڈے سکول کی تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ایک سکول بھی بچی بچوں کے لئے کھولا۔ جس میں لڑکیاں اور لڑکے دونوں شریک تحصیل تعلیم تھے۔ راقم خود ان دنوں ان خورد سال بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ ہم سب بچوں کی سیدھے سادے اصُول پر تربیت اور پرورش ہوا کرتی تھی۔ ہمارے بزرگ کھیل کود میں بھی اکثر ہمارے ساتھ شامل ہوا کرتے تھے اس خیال سے۔ کہ مبادا ہم میں سے کوئی کسی نالائق حرکت کا مرتکب نہو جائے۔ فحش گوئی اور قسم کھانے کا تو کوئی نام تک نہ جانتا تھا اتوار کا دن بڑی ہی احتیاط سے مانا جاتا تھا۔ کیونکہ گولک ناتھ اتوار کو خود بڑی خبرداری سے مانتے تھے۔ اور اگر سچ پوچھو تو راقم کی اصلاح وضع اور دلی تبدیلی انہی دنوں میں ہوئی۔ نیز مس بیلا عبدالرحمن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے (جنہوں نے کئی بار اعلیٰ ملازمت سے انکار کیا) وہ بھی اپنی دینداری کا آغاز ان دنوں سے بتلاتی ہیں۔ یہی حال مسز الزبتھ ولیم کا ہے۔ جو کہ لاہور میں زنانہ کام پر مامور ہیں۔ غرضیکہ ہمارے بزرگوں کا نمونہ ہمارے لئے ایک غیر مترقبہ نعمت تھا۔ ہماری حرکات و سکنات

نشست و برخاست عادات و اطوار کا ہر وقت ان کو خیال رہتا تھا۔ بازار میں پھرنے کا ہمکو مطلق حکم نہ تھا۔ اور ہم جانتے بھی نہ تھے کہ بازار ہے کس جانور کا نام اور وہ کہاں ہوتا ہے۔ اُس وقت اگر کوئی ہم سے پوچھتا۔ تو ہم اُس اندھے کے مصداق حال ہوتے۔ جس کو جب پوچھا گیا۔ کہ گلاب کا کیا رنگ ہوتا ہے۔ تو اُس نے فوراً جواب دیا۔ کہ فلانے بادل کے گرجنے کی آواز کا اثر ہے ؁

جب غریب عیسائیوں میں کوئی بیمار ہوتا۔ تو ہمارے بزرگ فوراً اُس کی خبرگیری اور دلجوئی کے لئے کمر باندھ کر مستعد اور تیار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک عیسائی رام پھل نامی جب بیمار ہوا۔ تو اُس نے اپنی زندگی کی آخری رات کو ہمارے سنڈے سکول کی معلمہ کو بُلا بھیجا۔ اور وہ بیچاری ساری رات اس کی خبرگیری کرتی رہیں۔ اور دوسری صبح اتوار کے دن انہوں نے سنڈے سکول میں آکر بیان کیا۔ کہ وہ کس طرح رام پھل کی تسلی اور آرام کا باعث ہوئیں۔ رام پھل رات کے ایک بجے مر چکا تھا۔ مگر اس کے بستر مرگ پر انجیل کے جو مقامات انہوں نے پڑھے تھے۔ وہ ہمکو بھی سُنائے۔ اور فرمایا کہ کس طرح رام پھل کے تمام شکوک و شبہات دھوئیں کی طرح اڑ گئے۔ اور وہ مسیح پر بھروسہ کرتا ہوا سو گیا۔ ان کی اُس وقت کی تقریر بلا کی مؤثر تھی۔ ہم سب بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ اور رقت کا یہ عالم تھا۔ کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکے پڑتے تھے۔ بلکہ راقم کو تو اِس وقت بھی جب اُس نظارے کا تصور دل میں آتا ہے۔ تو ایک عجیب بیخودی اور محویت کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کاشکہ کہ آج کل کے مسیحیوں میں بھی اس قسم کی روح پائی

جائے۔ ای سمجھو اچھا گو کہ تمہاری روشنی آپہنچی ÷

پادری گولک ناتھ صاحب اور ان کی بیوی صاحبہ دونوں ہی غریبوں کے ہمدرد بھی پورے سرے کے تھے۔ صاحب موصوف خود غریب خانے میں جاتے اور اُن کے آرام و آسایش اور ضروری مایحتاج کو دیکھتے بھالتے۔ احقر نے بارہا ان کو غریبوں میں بیٹھے اور اُن کا کھانا چکھتے دیکھا ہے۔ اُنہوں نے جب کبھی کھانے میں کوئی نقص پایا۔ اُسی وقت لانگری کو خوب بنایا۔ مختصر یہ ہے کہ دونوں ہی صاحبان کل شہر و لبستیات اور دیہات کے لئے گویا ابرِ رحمت تھے۔ شہر کی اکثر مستورات بیوی صاحبہ (گولک ناتھ صاحب کی بیوی صاحبہ کو ان دنوں لوگ "بیوی صاحبہ" ہی کے نام سے پکارتے تھے) کے پاس آکر بچوں کا علاج معالجہ کرایا کرتی تھیں۔ گو اُنہوں نے کسی ڈاکٹری مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ مگر تجربہ بھی ایک گُن رکھتا ہے۔ اور وہ اس پر پورے طور سے حاوی تھیں۔ ان دونوں کی فیاضی اور فیض رسانی صفائی باطنی اور دلی محبت نے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا تھا ÷

آپ نے اپنے خاندان کی تعلیم و تربیت کے لئے تمام ضروری سامان بہم پہنچائے اور اپنے پبلک کام میں بھی خانہ داری کے ضروری فرائض سے ہرگز کبھی غفلت نہیں کی اپنے بیٹوں کی دینی اور دنیاوی بہبودی کے فرض کو بھی پوری طرح ادا کیا۔ لڑکوں میں سے جس کو لایق اور ہونہار پایا۔ اس کی تعلیم میں کوئی دقیقہ کوشش کا اُٹھا نہ رکھا۔ اُنہوں نے اپنے ایک فرزند ارجمند کو ولایت بھیجا۔ آپکی دلی منشا ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کہ

بچوں میں سے کوئی نہ کوئی اپنے آپ کو خداوند کی خدمت میں وقف کردے۔ اور گو خود
کسی کو زبان سے نہیں فرمایا۔ کہ وہ خداوند کے کام کے لئے مخصوص ہو۔ مگر ہمیشہ دعا
مانگا کرتے تھے۔ کہ خداوند اپنے کام کے لئے کسی نہ کسی کو ان کے بیٹوں میں سے چنے
ان کے بڑے بیٹے بنجمین گولک ناتھ تھے۔ اور ان پر ان کی اُمیدوں کا بہت کچھ مدار
تھا۔ مگر وہ ان اُمیدوں کے پورا ہونے سے پیشتر ہی عین عالم شباب میں دنیا سے
کوچ کر گئے +

ہے ہے سے گل تو پھر دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اور وہ تمام اُمیدیں جو انکی ذات سے وابستہ تھیں۔ اپنے ساتھ ہی قبر میں
لے گئے۔ آخر الامر اس کام کی طرف راقم کی توجہ کھنچی گئی۔ ان دنوں خاکسار کی عمر
سترہ برس کی تھی۔ اور جب والد ماجد صاحب نے اچھی طرح سے دلجمعی کر لی۔ اور پوری
سوچ سے کام لے لیا۔ کہ احقر کو مذہب کی طرف قدرتی شوق ہے۔ اور یہہ شوق کم سنی ہی
سے چلا آتا ہے۔ تو انہوں نے فی الفور میرے امریکہ بھیجنے کی تجویز کی۔ خاکسار کو اپنی نسبت
کچھ لکھنا سخت شاق ہے۔ مگر مرحوم کی سوانح عمری کے تعلق سے نفس الامری واقعات
سے پہلو تہی کرنا بھی ایک قسم کی خیانت میں داخل ہے۔ اور اس لئے گویم مشکل وگر نگویم مشکل
کا معاملہ آن پڑا ہے۔ بہر حال میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں اپنی نسبت
لکھونگا۔ پوری احتیاط سے صحیح صحیح حالات کسی قسم کی مبالغہ کی رنگ آمیزی سے پاک وصاف

کرکے پبلک کے پیش کر دونگا - اُمید ہے - کہ ناظرین مجھے اس میں معذور اور مجبور سمجھیں گے +

صاف ظاہر ہے - کہ خاکسار کے امریکہ اور یورپ میں بھیجنے سے والد ماجد صاحب کو ذاتی فائدہ ہی کیا تھا - کچھ بھی نہیں کیونکہ احقر کو دینی کام میں مصروف کرنے سے ان کو یا ان کے خاندان کو کسی قسم کے دنیاوی فائدے کی اُمید نہیں ہو سکتی - ہاں اگر کچھ فائدہ تھا - تو خاکسار کا تھا اور وہ بھی دُنیاوی نہیں بلکہ دینی پر اس نیک نفسی اور خدا پرستی کی اندرونی جذبات اور تقاضوں نے جن کو وہ سترہ برس کی عمر میں اپنے وطن مالوف بنگالہ سے لیکر محبت اور قرابت کے تمام تعلقات کو مسیح کی خاطر نقصان سمجھ کے نکلے تھے - ان کو ترغیب دی کہ خاکسار کو امریکہ بھیجیں حسنِ اتفاق سے خاکسار کی عمر بھی اُس وقت والد ماجد کی ہجرت کے زمانے کی طرح سترہ ہی برس کی تھی اس عمر میں والد ماجد نے نہایت ضروری سمجھا - کہ خاکسار کو امریکہ بھیجا جاوے - تاکہ سفر کے فوائد سے مستفید ہو کر اور اپنے آپکو خدا کے سپرد کر کے اپنی زندگی سے بنگالوں اور بنگالیوں کو فائدہ پہنچاوے +

آپ کے صاحبزادے چارلس گولک ناتھ بھی جن کو ولایت بھیجا گیا تھا - بیرسٹر ہو کر ولایت سے واپس تشریف لائے اور لاہور میں مقیم ہیں - آپ پنجاب یونیورسٹی کے لاپچرار اور بیرسٹرایٹ لا نیز پنجاب کے مسیحی لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے دلدادہ ہیں - پنجاب کی ہندوستانی مسیحی انجمن کے بانی مبانی آپ اور مسٹر رودھر صاحب پروفیسر دہلی کالج ہی ہیں - پادری گولک ناتھ کی زندگی کے خاتمے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن کے وہ کیا خاص ذاتی جوہر تھے - جن کے باعث ان کی زندگی ایک کامیاب زندگی

متصور ہوئی - فی زمانہ دیکھا جاتا ہے - کہ پنجاب میں تعلیمی ترقی کی رفتار روزافزوں ترقی پر ہے - بہت سے لایق فایق یونیورسٹی گریجوایٹ تعلیم کے اعلیٰ اعزاز سے معزز اور موقر ہوتے جاتے ہیں - تو خیال پیدا ہوتا ہے - کہ ان کی زندگی میں ایسی کیا خوبی تھی جسے وہ موجودہ نئی روشنی کے زمانے میں بھی شہرت کے آسمان پر سورج بنکر چمک رہے ہیں - اسکا جواب فقط ایک ہی ہے - کہ گولک ناتھ صاحب جن دنوں پنجاب میں تشریف لائے تعلیم تہذیب اور شایستگی میں اندنوں کے لوگوں سے کہیں بڑھکر تھے - اور ان کی زندگی کی کامیابی کا باعث صرف یہی ہے - کہ انہوں نے وقت کو غنیمت سمجھ کر اپنی دینی تعلیم اور تہذیب کو فقط اپنے ہی میں محدود نہیں رہنے دیا - بلکہ جہانتک ہوسکا قوم کی خدمت میں اسے صرف کر دیا - حقیقت میں انسانی زندگی کا اعلیٰ معراج بھی یہی ہے - وہی آدمی فضیلت کا درجہ حاصل کریگا - جو علم کی روشنی رکھتے ہوئے اس علم کو اپنی قوم کی خدمت میں صرف کر دے - گولک ناتھ صاحب انہی وجوہات سے پنجاب کے معززترین طبقے میں شمار کئے جانے کے لایق ہیں - کہ انہوں نے حتی المقدور - علمی روشنی کے پھیلانے میں دریغ نہیں کیا - اس لیے پنجاب کے لوگوں نے بھی ان کو دل سے نہیں بھلایا - بلکہ ان کی یادگاری میں ایک گرجا گھر " گولک ناتھ میموریل چرچ " شہر جالندھر میں تعمیر کیا *

گولک ناتھ کی زندگی کو ایک اعتبار سے مسیحی تواریخی زندگی کہنا چاہیے - اور جب کبھی آیندہ پنجاب کی تواریخ میں مورخ مسیحی ترقی کا تذکرہ کریگا - تو ضرور گولک ناتھ کا نام

بھی اس میں بطور ایک تواریخی واقعہ کے لیگا۔ مسیحی لحاظ سے اُن میں وہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ جو آیندہ مسیحیوں کی ترقی اور اُس کی روحانی دلوں کے اُبھارنے والی ہونگی۔ ان کی زندگی بطور نظیر کے اُن اوصاف سے موصوف ہے۔ جو ثبوت کے رو سے اس امر کی مصداق ہے۔ کہ مسیحی فصل تعداد اور اندازہ کے رو سے نہیں۔ بلکہ جنسیت اور قسم کے لحاظ سے کیسی ہوگی +

اس بات کا دعویٰ نہیں کیا جاتا۔ کہ گولک ناتھ کوئی ایسے پیشوا تھے۔ جیسے کیشیب چندر سین برہموؤں میں یا دیانند سرستی آریوں میں۔ یا سید احمد مسلمانوں میں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ جیسے دادا بھائی نوروجی یا سریندر وناتھ بینرجی اپنی خداداد لیاقت اور وسعت معلومات سے اپنے ہمقوموں اور ہمجنسوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور اس لئے فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں ٹھیک اسی طرح گولک ناتھ کا حال ہے +

گو وہ اب راہی ملک بقا ہوئے۔ مگر ان کا نام نسلاً بعد نسلاً عزت کے ساتھ صفحہ تاریخ پر یادگار رہیگا۔ اور قدر و عزت سے دن بدن بڑہتا ہی جائیگا۔ بقول ایک انگریزی شاعر کے بخارات جو آفتاب کے سامنے آتے ہیں۔ اُسسے وہ زیادہ بڑا نظر آتا ہے مگر فی الحقیقت وہ بڑہتا نہیں"۔ صاحب موصوف ایک حلیم بردبار آدمی تھے۔ ان کے مزاج میں انکساری فروتنی اور حیا کی صفتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ وہ بن بلائے مہمان کی طرح خود بخود دخل در معقولات نہیں کرتے تھے۔ جان نیوٹن صاحب کیطرح اپنے ایمان میں پوری طرح ثابت قدم تھے۔ معاف کرنے کی صفت خصوصاً ان میں بہت پائی جاتی تھی۔ وہ ہمیشہ

معاف کرنے پر مستعد اور تیار پائے جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ اکثر اوقات سعدی کا مفصلہ
ذیل شعر بڑے ہی ذوق و شوق سے ناصحانہ طور پر پڑھا کرتے تھے۔ بندہ حلقہ بگوش ار نوازی
برود + لطف کن لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش + کسی کی برائی میں کبھی شامل نہیں
ہوتے تھے۔ اگر کوئی مصیبت آئے۔ تو بڑے صبر و استقلال سے اس کو جھیلتے تھے۔
ہمدردی غمگساری میں یگانوں بیگانوں سے یکساں شریک ہو جاتے تھے۔ وہ ایک فراخ
دل۔ فیاض۔ مسافر نواز اور شفیق دوست تھے۔ اور آپکا نمونہ ایک عمدہ اور قابل
تقلید نمونہ تھا +

آپ اپنے مشن اور کلیسیا کے ہمیشہ حقیقی مطیع رہے۔ اور ہمیشہ ہر ایک مسیحی کو خواہ وہ
کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو۔ شراکت کا ہاتھ دیتے تھے۔ چرچ آف انگلینڈ کے مسیحیوں سے آپ کو
بڑی محبت تھی۔ بشپ فرنچ صاحب بھی اکثر جالندھر میں آکر ان کے ہمراہ درس دے جایا
کرتے تھے۔ اور بازار میں بھی ان کے ساتھ منادی میں شریک ہو جایا کرتے تھے +

آپ ضیق النفس (دمہ) کی بیماری سے مدت تک بیمار رہے۔ اور آخر جب اس
بیماری سے سخت لاچار ہو کر بستر بیماری پر پڑے تو ہمنے ان کے چہرے پر کبھی مایوسی یا غم
کے آثار مطلق نہیں پائے۔ مرتے دم تک ان کا ایمان اپنے نجات دہندہ پر مضبوطی سے جما
رہا۔ ان کا صبر اور استقلال اعلیٰ درجہ کا تھا۔ راقم اکثر ان کے بستر کے پاس خدا کا پاک کلام
پڑھا کرتا تھا۔ اور اخیر وقت میں انہوں نے بیان کیا۔ کہ ان کے ایمان میں کسی نوع کی غیر معمولی
تبدیلی واقع نہیں ہونے پائی۔ آخر جبکہ اُن کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ان کے داماد

پادری کالی چرن چیٹرجی صاحب تشریف لائے اور اُنہوں نے تیئیسواں زبور پڑھا۔ اور جب وہ اس مقام پر آئے ’’ جب موت کے سایہ کی وادی میں پھروں تو مجھے کوئی خوف و خطر نہیں ہوگا‘‘ تو اُنہوں نے آنکھ کھولدی اور مسکراتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔ گویا کہ اپنے ایمان کی فتحیابی کا اظہار کرتے تھے۔ اُس وقت اُنہوں نے روحانی گیت گنوائے! اور دعا منگوائی۔ اور اگست ۱۸۹۱ء کی پہلی تاریخ کو ایک بجے دن کے چہتّر برس کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ✚

نماز جنازہ پادری۔ سی۔ ڈبلیو۔ فورمن صاحب ایم۔ ڈی۔ اور پادری کالیچرن چیٹرجی صاحب نے پڑھائی۔ موخرالذکر صاحب نے اُن کی زندگی کے مختصر اور مشہور حالات بیان فرمائے۔ جس وقت تابوت گورستان میں پہنچایا گیا۔ اُس وقت کا سماں عجب رقت انگیز تھا۔ مختلف اضلاع پنجاب کے عیسائی جمع تھے۔ اور شہر جالندہر اور بستیات کے ہندو مسلمان عمائد کا ہجوم تھا۔ جو پادری صاحب کے حسن اخلاق اور ان کے مُفید کارناموں کو یاد کر کرکے دست تاسف مل رہے تھے۔ جس سے ان کی عالمگیر ہر دلعزیزی ٹپکی پڑتی تھی ✚

آجکل پنجاب کی تاریکی کا زمانہ حرف غلط کی طرح صفحۂ روزگار سے مٹا جاتا ہے۔ جاہلانہ شور و غل کی آوازیں تقریباً بند ہوگئی ہیں۔ چاروں طرف سے ہم زندگی کے آرام و آسائش کی نعمتوں سے متمتع ہیں۔ تعلیم کی روشنی سیلاب کی طرح موجزن ہے۔ مسیحی مذہب نے بھی ترقی کا قدم آگے بڑہایا ہے۔ ہر طرف سے مسیحی انجمنوں کے قیام کی آوازیں ہیں۔ کہ کانوں

ہیں گونج رہی ہیں۔ ترقی نے نوجوان مسیحیوں کا دامن پکڑا ہے۔ سیکڑوں خوبیاں کلیساؤں میں گھر کر رہی ہیں۔ اور ہر طرف سے احتیاج کے زور سے آواز آرہی ہے۔ کہ کاش تو نمونہ سا کوئی مصلح ہو۔ جو کہ ہماری اصلاح اور فلاح کا بیڑا اُٹھا دے۔ ایسا مصلح جو ہمارے مسیحی کام کو انتہائی تازگی بخشے۔ اور ہمارے نوجوان مرد عورتوں کو خداوند کی طرف لے اُٹھے۔

پر یاد رکھنا چاہیے۔ کہ ایسے مصلح بننے کے لئے گولکناتھ ہی کا سا نمونہ جو وہ اپنی زندگی میں چھوڑ گئے۔ کارآمد اور مفید ہو سکتا ہے۔